قرآن کریم نے اہل ایمان کے لیے اس بیانیے کو لازوال رشتے سے تعبیر کیا:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ق

(البقرہ ۲:۲۵۶) جو بھی طاغوت کا انکار کردے اور اللہ پر ایمان لے آئے گویا اس نے نہ ٹوٹنے والی رسی کو تھام لیا۔

قومی بیانیہ اور دوطرفہ حکمت عملی

درحقیقت ریاست اور ملت اسلامیہ کا 'قومی بیانیہ' ہی ان کا عروۃ الوثقیٰ اور حبل اللہ ہے، جو آپس میں 'مفاہمت' اور دشمن کے ساتھ 'مزاحمت' کی دوطرفہ حکمت عملی کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہ کسی بھی نظریاتی ریاست کی پالیسی سازی کا محور ہونا چاہیے، جو رب کائنات کو اپنا ملجا وماویٰ بنائے اور مشرکانہ بیانیے کو اپنے لیے ضرب کاری کا ہدف سمجھے، اور حق وباطل کے اشتراک کو ہرگز قبول نہ کرے۔ یہی وجہ تھی جب کفارِ قریش مکّہ نے آپؐ کے چچا ابوطالب کو آپؐ کے پاس بھیجا تو رسولِ خدا کا جواب بلاخوف وخطر ان کے ہر لالچ کا توڑ تھا:

> خدا کی قسم! اگر یہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر کہیں کہ آفتاب ومہتاب کے عوض میں اس بیانیے کو ترک کردوں تو میں ہرگز اسے ترک نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ یا تو اللہ اس دین کو غالب کردے یا میں اس راہ میں جان دے دوں۔ (سیرت ابن ہشام، جلد اوّل، ص ۲۶۶)

یہ تھی سنت نبویؐ، یعنی ایک نظریاتی مملکت کے سربراہ اوّل کا لائحہ عمل اور ایکشن پلان۔[1] عصر حاضر کا بیانیہ اگر رسولؐ اللہ کے بیانیے سے متصادم ہے تو نبی کریمؐ کی سنت کو چھوڑنے والا ہر حکمران اپنے دعوائے ایمان میں جھوٹا ہے اور ان کا دین دینِ سماوی نہیں بلکہ اکبر کے 'دین الٰہی' کا بیانیہ ہی ثابت ہوگا جسے مجدد الف ثانی نے اپنی ضرب کاری سے نیست ونابود کر کے رکھ دیا۔

قومی بیانیہ اور درپیش چیلنج

بے شک امن وترقی تجدید کے باوصف ہماری ضرورت ہے مگر اپنی تہذیب ونظریے کی

---

۱ جب عہد خلافت میں ابوبکر صدیقؓ کو جھوٹے مدعیان نبوت، منکرین زکوٰۃ وجہاد کے چیلنجز درپیش ہوئے اور بعض صحابہ نے مصلحت کوشی کا تقاضا کیا تو آپ نبویؐ بیانیے سے سرِمو ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئے اور ڈٹ گئے۔

قیمت پر ہرگز نہیں۔ لہٰذا، عصرِ حاضر میں 'قومی بیانیہ' کے حوالے سے ہماری نظریاتی مملکت پاکستان کو جو چیلنج درپیش ہیں، کیا ترقی کی خاطر یا پھر باطل کے ڈر کے پیش نظر ان چیلنجوں کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیا جائے اور ایک نظریاتی ریاست کے بجاے ایک مجبورِ محض (functional) اور سیکورٹی اسٹیٹ کی حیثیت کو قبول کرلیا جائے، یا پھر ہم بیرونی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے پاکستان کی مشکیں ترغیب و ترہیب (Carrot and Stick) کی پالیسی کے شکنجے میں کس دینا چاہتے ہیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو یہ مداہنت کی پالیسی ہوگی جسے سورۂ مائدہ میں یہ کہہ کر منع کیا گیا ہے (جو صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی)۔

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَ اخْشَوْنِ (المائدہ ۵:۳) آج کفار تمھارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں، لہٰذا اب تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔

درحقیقت غزوۂ احزاب نے کفار کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی۔ وہ عملی اور اعصابی جنگ ہار گئے تھے۔ اسلامی ریاست اتنی مضبوط ہوگئی تھی اور اسلام کی طاقت اتنی زبردست ہوگئی کہ کفار جارح کو معلوم ہوگیا کہ اب ان کے پاس وہ طاقت ہے کہ اگر ہم لڑیں گے تو یہ ہمیں شکست دے ڈالیں گے۔ ریاست مدینہ میں جنگ احزاب کے پس منظر میں مشرکینِ قریش اور یہود نے بیسیوں قبائل کو ساتھ لے کر 'اتحادی فوجیں' (Coalition Forces) ترتیب دے کر ریاست مدینہ کے خاتمے کا سوچا تھا۔ ان کی شکست کے بعد رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا: اَلْآنَ نَغْزُوْھُمْ وَلَا یَغْزُوْنَنَا (بخاری، کتاب المغازی)۔ گویا اب وقت گیا کہ یہ تم پر چڑھ چڑھ کر آرہے تھے اور اپنے شر کے بیانیے کو تم پر مسلط کرنا چاہتے تھے۔ وقت آگیا ہے کہ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے اور وہ دفاع کرنے پر مجبور ہوں گے۔

'جہادی بیانیہ' صرف دفاعی جنگ کا نام نہیں ہے بلکہ باطل کے خلاف اقدامی جنگ (Aggresive War) بھی ہے۔ بیسیوں غزوات اور سرّیوں سے آں حضوؐر اور آپ کے صحابہؓ نے توحیدی بیانیے کو اعلاے کلمۃ اللہ کی رفعتوں سے ہم کنار کیا۔ ہمیشہ مشرکوں کو، کافروں اور منافقوں کی یہ دلی تمنا ہوتی ہے کہ نظامِ حیات ان کی منشا کے مطابق بدلا جائے، جب کہ رب کائنات اپنا فرمان اتار کر اپنی منشا کے مطابق نبویؐ لائحہ عمل کو نافذ دیکھنا چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ط

(اعراف ۷:۵۴) ''خبردار رہو! اُسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے''، اور وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ (الفرقان ۲۵:۵۲) ''تم اس قرآن کو لے کر ان سے جہاد کبیر کرو''۔

عالمِ اسلام میں اب یہ جاہلی حکمت عملی اپنے عروج پر ہے۔ ماضی میں اس جاہلی فتنے کو میکیاولی اور قدیم چانکیائی فلسفہ نے خوب تقویت دی۔ جب نوآبادیاتی دور کا آغاز ہوا تو ولندیزی، پرتگیزی اور انگریزی استعمار نے جھوٹ اور مکاری پر مبنی بیانیے کو فروغ دے کر مسلم سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ خلافت عثمانیہ کے حصّے کر دیے۔ دین اور دنیا کی دوئی کا فلسفہ گھڑ کر مسلم سیاسی قوتوں کو مذہب کے مقابلے میں لا کھڑا کیا اور ہر قومی ادارے سے مذہب و دین کا خاتمہ کر کے فرقہ واریت کو پروان چڑھایا۔ اس طرح اسپین اور افریقہ سے لے کر برعظیم پاک و ہند تک سارے مسلمان سیاسی اور مذہبی لحاظ سے لامتناہی ٹکڑوں میں بٹ کر آپس میں دست و گریبان ہوگئے کیوں کہ وہ خلافت کے سائبان سے محروم ہو کر بالادست سیکولر قوتوں کے دست نگر بن گئے تھے۔ مزاحمت اگر تھی تو وہ صرف علماے حق کی طرف سے تھی۔ اس لیے کہ سیاسی قوت ہاتھ سے چلے جانے کے بعد جہادی بیانیہ، ریاست کا بیانیہ نہ رہا بلکہ علماے حق عوام الناس تک اللہ کا پیغام پہنچانے کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کا پورا نزلہ علما پر گرا دیا گیا۔ معاشرے میں ان کو بے حیثیت بنا دیا گیا اور ہزاروں علما کو شہید کیا گیا۔ برطانوی فوج میں چار لاکھ سے زائد مقامی افراد بھرتی کیے گئے جن میں سے دو لاکھ فوجی پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ لوگ تاجِ برطانیہ کے لیے تقویت اور مزاحم قوتوں اور علما کے لیے تعذیب کا سبب بنے۔ دراصل اس لیے کہ شرک کا بیانیہ ظلم و ستم پر مبنی ہوتا ہے، جس کے ذریعے کمزور اہل ایمان کو تختۂ مشق بنایا جاتا ہے:

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (البروج ۸۵:۸) ان سے ان کے انتقام لینے کی اور کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اللہ غالب اور محمود پر ایمان رکھتے تھے۔

قومی بیانیہ سے انحراف

قیامِ پاکستان کے وقت دو قومی نظریے کی بنیاد پر لازوال جدوجہد تاریخ کا حصّہ ہے کیوں کہ پوری قوم ایک بیانیے پر متحد ہوگئی تھی۔ تاہم ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے سانحے کے

رُونما ہونے کے بعد اسلامی بیانیے کے خلاف زور دار ابلاغی مہم چلائی گئی۔ اس کو سیکولرزم کی فتح سمجھ کر بائیں بازو کے دانش وَروں نے سیکولر بیانیہ اپنانے کا مشورہ دیا۔ اس کے مقابلے میں دوسرا مضبوط موقف دائیں بازو کے دانش وَروں کا تھا کہ سقوطِ مشرقی پاکستان دراصل نظریۂ پاکستان کے ترجمان اسلامی بیانیے سے انحراف کا نتیجہ تھا۔

اس موقعے پر جب سبط حسن نے بائیں بازو کے سیکولر موقف پر زور دیا تو الطاف گوہر نے صاف لکھا کہ پاکستان کی تخلیق کا مقصد اسلامی ریاست کی تخلیق تھا۔ صدر ایوب خان کی کابینہ میں الطاف گوہر ماڈرنزم کے پرچارک تھے مگر وہ جدیدیت کو مذہبیت کی نفی نہیں سمجھتے تھے۔ اسی طرح ۱۹۸۵ء میں سبط حسن کے جواب میں معروف وکیل اور اسلامی نظریاتی کونسل رکن خالد ایم اسحاق نے کئی مضامین لکھے جو ڈان میں شائع ہوئے۔ وہ اسلامی نظریے پر مبنی بیانیے کے حق میں تھے۔ خالد اسحاق ایڈووکیٹ نے مدلل انداز میں اسلامی ریاست کے حوالے سے الطاف گوہر کے موقف کی بھرپور تائید کی اور ریاست اور مذہب کو الگ الگ خانے میں رکھنے کی اہل نصاریٰ کے موقف (Narrative) پر زوردار تنقید کی۔ اقبالؒ نے بھی اسلامی نقطۂ نظر سے پاپائیت کی سخت مخالفت تو کی تھی، مگر دین کے مقصد کے حصول کے لیے ریاست کے وسیلے کے استعمال کے وہ بھرپور حامی تھے ؎

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

قائداعظم محمد علی جناح یورپ میں علمی نشوونما پا کر ابتدا میں مذہب اور ریاست کے جدائی کے قائل تھے، مگر ۱۹۳۸ء سے ان کا نقطۂ نظر اس وقت بدل گیا جب مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرف سے بھیجے گئے علما کے چھے رکنی وفد نے پٹنہ میں بیرسٹر عبدالعزیز کے گھر میں قائداعظم سے ملاقات کی۔ ڈھائی گھنٹے کی گفتگو کے بعد جناح نے مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی اور وفد کے دیگر ارکان کے سامنے علانیہ کہا: ''کسی اور میں دین اور ریاست ایک دوسرے سے جدا ہوں یا نہ ہوں، مجھے خوب سمجھ آ گیا ہے کہ اسلام میں دین اور سیاست ایک دوسرے سے جدا نہیں''۔

دیوبند کے ان علما کا قائداعظم کے ساتھ علمی اور سیاسی تعاون ہمیشہ جاری رہا۔ ۱۹۴۶ء میں پاکستان کے حق میں صوبہ سرحد کا ریفرنڈم جیتنے کے بعد قائد نے ان دونوں علما کو مبارک باد دی

اور ایک نشست میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے سوال کے جواب میں کہا کہ سیاست سے دست بردار ہو کر لندن منتقل ہونے کے بعد میری واپسی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر ہوئی تھی۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان میں ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا جھنڈا لہرانے کا سہرا بھی قائد کے حکم پر انھی دو علما کے سر رہا اور وصیت کے مطابق قائد کی نماز جنازہ بھی مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے پڑھائی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ہمارے ہاں یہ بحث ۷۰ سال سے جاری ہے۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد مبارک باد کا مستحق ہے کہ ۱۹۹۸ء سے ۲۰۱۲ء کے دوران Pakistan Between Secularism and Islam: Ideology, issues and Conflict کے موضوع پر مقالہ جات اور سیمی نارز کی کارروائی شائع کر کے قوم کو یک سُو کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، جس کا سہرا پروفیسر خورشید احمد اور محقق ڈاکٹر طارق جان کے سر ہے۔ توحیدی بیانیہ کو پروان چڑھانے کے لیے ہر قسم کی ابلاغی اور اداراتی کوششیں لائقِ تحسین ہیں۔

مغربی عصری بیانیہ اور شریعت محمدیؐ

عصر حاضر میں جدید مغرب کے فلاسفروں نے Humanism یا تحریک انسانیت کے نام سے جو بیانیہ دیا ہے، اس میں انسان کو خاکم بدہن اللہ تعالیٰ اور وحی (Revelation) کے مقابلے میں عقلیت (Rationalism) کو تقدس کا درجہ دیا ہے اور حلال وحرام کے شرعی احکام کی جگہ 'Utilitarianism' یعنی افادیت پسندی کو اپنے تجدد سے 'شریعت' قرار دیا ہے۔ حالاں کہ تمام مذاہب سماوی کی رُو سے حاکمیت اعلیٰ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اور اسلامی شریعت میں سنتِ رسولؐ کی آئینی حیثیت بھی مسلّم ہے، کیوں کہ اسوۂ رسولؐ کی پیروی کے بغیر کوئی بھی بیانیہ ہدایت سے محروم رہے گا۔ حاکمیت اعلیٰ اور سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ریاست مدینہ میں کوئی تجاوز نہیں کرسکتا تھا تو آئیڈیل کی حیثیت سے دستورِ پاکستان میں ان حدود کا خیال رکھا گیا اور قانون سازی اور دستوری سازی میں قرار داد مقاصد اور توہین رسالتؐ اور خاتم الانبیا کی عظمت اور تقدس کے اصولوں سے انحراف کی کوئی گنجایش نہیں چھوڑی گئی۔ دستور کے مطابق قرآن وسنت ہمارے قومی فکر وعمل کے بنیادی مآخذ میں ور ہمارے عقیدے کی بنیاد شریعت ہی ہمارا نظام حیات

ہے۔ شریعت دراصل اُخروی کامیابی کی خاطر زمینی وسائل اور انسانی صلاحیتوں کے استعمال کے نبویؐ منہج اور ضابطے (Code of Conduct) کا نام ہے، تاکہ بحیثیت خلیفہ، انسان کے ہاتھوں زمینی اقتدار، آسمانی اقدار کی روشنی میں قائم رہے۔ اسی کو امانت اور اسی کو اللہ سے عہد کہا گیا ہے اور یہی وہ توحیدی بیانیہ ہے، جسے میر حجازؐ نے انسانیت کے سامنے پیش کیا اور طاغوت سے انسان کو خلاصی بخشی۔ اس توحیدی بیانیے کا اصل مقصد و مدعا بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر رب کی بندگی میں دینا تھا تاکہ دنیا اصلاح اور امن وسلامتی کا مسکن بن جائے۔

اقبال کے نزدیک یہ سب کچھ دین اسلام اور میر حجازؐ کی برکت سے ہے: ع از کلیدِ دیں درِ دنیا کُشاد۔ گویا پیغمبر وہ ہستی ہیں، جنھوں نے دین کی کلید سے دنیا کے دروازے وا کر دیے اور وسیلۂ دنیا کو مقصد دین کا ذریعہ بنایا اور ترکِ دنیا کو ناجائز قرار دیا۔

مستضعفین کا بیانیہ اور ہمارے قائدین

زمینی حقائق کے مطابق بیانیہ (Narrative) دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک ظالم متکبرین کا بیانیہ اور دوسرا مستضعفین کا بیانیہ۔ ظالم اور مظلوم، طاقت وَر (Oppresor) اور کمزور (Oppressed) کے رویے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کمزوروں اور پسے ہوئے مستضعفین کو غلبہ دے کر ان پر احسان کرنا چاہتا ہے تاکہ مستکبرین اپنا بیانیہ کمزور قوموں پر بزور نافذ نہ کرسکیں:

وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ o (القصص ۲۸:۵) اور ہم جہاں بھر کے کمزوروں پر یہ احسان کرنا چاہتے ہیں اور ان کو قیادت اور زمین کی وراثت عطا کرنا چاہتے ہیں۔

چونکہ صدق وعدل پر مبنی قرآن کا بیانیہ بھی طاقت کا متقاضی ہے جو ریاستی سطح پر اداروں کی تمکین اور سیاسی قوت کے حصول کے بغیر ممکن نہیں۔ گذشتہ صدی میں برعظیم کے اندر کمزور مسلمانوں پر اللہ کا یہ احسان اس طرح ہوا کہ رب غفور نے ہمیں بلدۃ طیبہ، یعنی پاکستان دیا۔ ساتھ ہی ہندو اکثریت کے غرور کو بھی خاک میں ملا دیا کیوں کہ وہ رائج الوقت جمہوری اصول کے مطابق برعظیم کی ۲۵ فی صد مسلمان اقلیت پر حکمرانی کرنا چاہتے تھے۔

برعظیم کی ایسی اعصاب شکن بحرانی کیفیت میں اللہ تعالیٰ نے احسان کے طور پر مسلمانوں کو

فکری اور عملی طور پر ایک بصیرت افروز اور صاحب کردار قیادت عطا کی۔ بلاشبہہ، ڈاکٹر محمد اقبال اور محمد علی جناح اس کے سرخیل تھے۔ وہ اپنی عظمت رفتہ کے حصول کے لیے ریاست مدینہ کو آئیڈیل سمجھتے تھے اور اسلام کے بیانیے پر غیر متزلزل یقین رکھتے تھے۔ دونوں قائدین اعلیٰ پایے کے مفکر اور مدبر اور قانون دان تھے۔ انھوں نے علاحدہ اور خودمختار اسلامی ریاست کے حصول کے لیے قانونی اور سیاسی جدوجہد کا راستہ اختیار کیا اور برعظیم کے کمزور مسلمانوں کی قیادت کا حق ادا کیا۔ اسلامی نظریے پر قائداعظم کا یقین اتنا پختہ تھا کہ پاکستان بننے سے پہلے ایک سو مرتبہ اور پاکستان بننے کے بعد ۱۴ مرتبہ انھوں نے اپنی تقریروں میں اسلام کے نظریاتی بیانیے پر زور دیا۔

پاکستان کی آئین ساز اسمبلی نے آئین کی تشکیل سے قبل قراردادِ مقاصد، یعنی Objective Resolution منظور کی، جو حقیقی قومی بیانیے کی عکاس تھی اور میثاقِ مدینہ کا پرتو، اور ایک نظریاتی مملکت کی سنگ میل بھی۔

توحیدی بیانیہ اور قومی آزمایش

قراردادِ مقاصد کو آئین کا حصّہ بنانے میں اوّل روز سے بڑی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ اسی توحیدی بیانیے کی پاداش میں اس کے روح رواں نواب زادہ لیاقت علی خان کو شہید کیا گیا، جو پاکستان کے پہلے وزیراعظم تھے۔ انھوں نے امت مسلمہ کو یک جا کرنے کے لیے ڈاکٹر محمد اسد کو عالمی مشن پر بھیجا تھا۔ جب وہ تین اسلامی ملکوں کا دورکر کے ترکی پہنچے تو باطل غالب قوتوں کو خلافت اسلامی کے دوبارہ احیا کا خطرہ کھٹکنے لگا۔ پھر قائداعظم کے ایما پر قائم کردہ 'ادارہ اسلامی تعمیرنو' کہ جس کی سربراہی محمد اسد کو سونپی گئی تھی، اس ادارے کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی اور تمام ریکارڈ غائب کردیا گیا۔ پورے ۶۸ سال بعد ۴۰ صفحات پر مبنی اس قومی ادارے کا بیانیہ اب دوبارہ منظر عام پر آ گیا ہے۔ یہ عملی توحیدی بیانیہ بوجوہ عصر حاضر کے 'قیصر' کے لیے خدائی کا حصّہ مانگنے والے مشرکوں کو اور مشرکانہ بیانیے کے پیروکار منافقوں کو ایک نظر نہیں بھاتا تھا۔ کیوں کہ اس کے پس منظر میں مصورِ پاکستان اور قائداعظم کا وژن جھلکتا تھا، جنھوں نے چٹان کی طرح استقامت دکھا کر عالمی باطل قوتوں کو جمہوری طریقے سے شکست سے دوچار کیا تھا، اور اسلامی بیانیے کے قانونی نفاذ کے لیے ایک جدید فلاحی اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی تھی۔

قانونی اور دستوری جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہونے والی اسلامی جمہوری مملکت میں وقفے وقفے سے مارشل لا کا نفاذ اور جسٹس محمد منیر کے ہاتھوں اسلامی بیانیے کو مشتبہ بنانے کے لیے قائداعظم محمد علی جناح کی کردار کشی اسی گہری سازش کا شاخسانہ ہیں، جسے سلینہ کریم نے اپنی کتاب Secular Jinnah میں بڑی محنت سے علمی طور پر طشت ازبام کیا ہے، اور سیکولر بیانیے کے مکارانہ بنیادوں کا ہلا دیا ہے۔

اہل دانش کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ قرارداد مقاصد کے دستوری بیانیے کے خلاف ترتیب دیے جانے والے بیانیے کو مسترد کریں اور عوام الناس کو شعوری طور پر بیدار کریں کیوں کہ ہم اپنی قومی ریاست کو خدائی کے مقام پر براجمان نہیں دیکھنا چاہتے۔ ورنہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی احسان فراموشی ہوگی اور اپنے محسن قائدین سے غداری بھی، جنھوں نے رزم حق و باطل کے لیے اصل معیار کو حلقۂ یاراں کے لیے روز روشن کی طرح واضح کر دیا تھا اور آپس میں نظریاتی یک جہتی کے فوائد کو عملاً چراغ مصطفویؐ کی روشنی میں ثابت کر دکھایا تھا۔ اقبال کے بقول یہ جہادی بیانیہ شرار بولہبی کے لیے ستیزہ کاری کا پیغام ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرار بُولہبی
توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

ضروری اعلان

ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن ہر ماہ کے پہلے ہفتے میں روانہ کر دیا جاتا ہے تا کہ پہلے عشرے تک موصول ہو سکے۔ لہٰذا ۱۰ تاریخ تک پرچہ نہ ملنے کی صورت میں اپنے مقامی ڈاک خانہ میں تحقیق و کارروائی کریں اور دو تین روز مزید انتظار کے بعد بھی دستیاب نہ ہو تو دفتر ترجمان کے فون نمبروں پر اپنا خریداری نمبر یا نام و پتا بتا کر رابطہ کریں۔ ان شاء اللہ آپ کی شکایت دُور ہو جائے گی اور دوبارہ پرچہ ارسال کر دیا جائے گا۔ آپ اپنا زرسالانہ منی آرڈر بنام ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن یا آن لائن بھی کر سکتے ہیں۔

رجسٹرڈ شمارے کی سہولت

جن احباب کو ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن نہ ملنے کی شکایت ہے وہ زرسالانہ (400 روپے) کے علاوہ -/250 روپے اضافی (یعنی کُل: 650 روپے) ادا کر کے رجسٹرڈ ڈاک کی سہولت سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

میڈیا وار اور مسلم دنیا

مجتبیٰ فاروق ○

میڈیا کا مطلب، زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق خبروں، واقعات اور حادثات کا جائزہ لے کر ایک خاص ترتیب سے معلومات جمع کرنا پھر اس کو عام فہم انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے۔ میڈیا انگریزی میں میڈیم (Medium) کی جمع ہے، جس کے معنی وسائل و ذرائع ابلاغ اور نشر اشاعت کے ہیں۔ بالفاظِ دیگر: میڈیا کے معنی یہ ہیں کہ: یعنی اخبار، اور ٹیلی وژن یا ریڈیو کے ذریعے عوام تک پروگرام یا معلومات پہنچائی جائیں۔

ہر دور میں خیالات، پیغامات، اور معلومات کی ترسیل کا کوئی نہ کوئی ذریعہ رہا ہے۔ عصرِ حاضر میں پہلے ٹیلی گراف، پھر ریڈیو اور اس کے ساتھ اخبار، رسائل وجرائد اور ٹیلی وژن کا دور آیا۔ اب انٹرنیٹ کا زمانہ ہے جو معلومات فراہم کرنے کا تیز ترین ذریعہ ہے۔ میڈیا (ذرائع ابلاغ) کی بنیادی طور پر تین قسمیں ہیں: ○ پرنٹ میڈیا ○ الیکٹرانک میڈیا ○ سائبر میڈیا۔

۱- پرنٹ میڈیا سے مراد اخبارات اور رسائل وجرائد ہیں جو معلومات حاصل کرنے کا اور لوگوں کو حالات حاضرہ سے باخبر رکھنے کا سب سے آسان، سستا اور مستقل ذریعہ ہے۔ یہ ابلاغ کا پرانا ذریعہ ہے لیکن اس کی اہمیت وافادیت آج بھی برقرار ہے۔

۲- الیکٹرانک میڈیا جس میں ریڈیو، ٹی وی اور کیبل وغیرہ شامل ہیں یہ ابلاغ کے جدید ذرائع ہیں۔ اس میں فلمیں، سیریلز اور اشتہارات کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ بھی پیغام پہنچانے کے مؤثر ذرائع ثابت ہو رہے ہیں۔ الیکٹرانک میڈیا کے اُبھار کا زمانہ ۱۹۹۱ء میں شروع ہوا۔

○ ریسرچ اسکالر، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

۳- سائبر میڈیا: یہ میڈیا کی جدید ترین شکل ہے۔ آج دنیا میں اسے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا سے بھی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور اس کی اہمیت، افادیت اور وسعت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ سائبر میڈیا میں انٹرنٹ، ویب سائٹس، بلاگز وغیرہ شامل ہیں۔

میڈیا کی اہمیت و افادیت

ہر قوم، ملک اور تحریک اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے میڈیا کا ہی سہارا لیتی ہے۔ میڈیا یا ذرائع ابلاغ ایک ایسا ہتھیار ہے جو بہت ہی کم وقت میں کسی بھی مسئلے یا ایشو کے متعلق لوگوں کے ذہنوں کو ہموار کرتا اور ان کی راے بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ یہ میڈیا ہی ہے جو کسی کام پر اُکساتا ہے اور کسی اہم کام سے توجہ ہٹاتا ہے۔ اس لیے آج فرد سے لے کر حکومت تک کی نکیل میڈیا ہی کے ہاتھ میں ہے۔

بہت عرصے سے مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کو کسی بھی ریاست کے تین اہم ستون تصور کیا جاتا ہے اور ان تینوں اہم اداروں کے ذریعے کوئی بھی تبدیلی لائی جاسکتی ہے، لیکن اب کسی بھی ریاست یا جمہوری ملک کا چوتھا ستون میڈیا کو گردانا جاتا ہے۔

میڈیا نہ صرف سماج کا ایک اہم حصّہ ہے بلکہ ایک جمہوری ملک کا بھی اہم ستون ہے۔ یہ مجموعی طور پر ہر ملک و قوم میں لوگوں کی آواز اور ہتھیار ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ عصرِ حاضر میں میڈیا کی اہمیت اور ضرورت ہر لحاظ سے پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے کیوں کہ یہ راے عامہ کو ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

طاقت ور میڈیا ہی ملک و قوم کو صحیح خطوط پر استوار رکھنے کے لیے اہم رول ادا کرسکتا ہے اور جب میڈیا ہی اصول پسندی اور اقدار پر مبنی طرزِ عمل کو نظرانداز کرتا ہے تو یہ عام لوگوں کی تباہی کا ذریعہ بنتا ہے۔ میڈیا کی آواز بعض اوقات پارلیمنٹ اور عدلیہ سے بھی طاقت ور ہوتی ہے کیونکہ یہ ظالم کے کرتوت اور مظلوم پر روا رکھی گئی ناانصافی اور پھر اس کی بے بسی کو نمایاں کرنے میں ایک کارگر ہتھیار کے طور ثابت ہوتا ہے۔ میڈیا تعمیر و ترقی کا بھی ایک ذریعہ ہے اور تخریب کاری کا بھی ۔ ہم آج ایسے دور میں جی رہے ہیں، جس میں میڈیا کے سہارے بڑے پیمانے پر جنگ لڑی جارہی ہے۔